# اصلاحِ معاشرہ کے لیے اسلام کی تدابیر

از طاہرہ شاکر صاحبہ ۔ ریسرچ سکالر شعبۂ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی

اِس مضمون میں ہم اسلام کی ان تدابیر کا جائزہ لیتے ہیں جن کے ذریعے وہ فردِ معاشرہ کی تربیت کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

**۱۔ تطہیرِ عقائد و افکار**
اسلام توحید و رسالت اور عقیدۂ آخرت کو اصلاحِ معاشرہ کا سنگِ بنیاد قرار دیتا ہے۔ کیونکہ انسان کے اعمال و افعال کا اصل صرف اس کے خیالات و نظریات ہوتے ہیں۔ اور اگر خیالات صالح ہیں تو ان کے زیرِ اثر ہونے والے اعمال بھی نیک اور صالح ہوں گے۔ اور اگر خیالات بُرے اور فاسد ہوں گے تو افعال و اعمال بھی بُرے ہوں گے۔ کیونکہ خیالات کا مبداء اور سرچشمہ دراصل اس کے عقائد ہوتے ہیں جن کے تحت ان کے خیالات و تصورات تشکیل پاتے ہیں۔ اب اگر اس کا عقیدہ صحیح اور ہمہ گیر ہو تو اس کی زندگی کے تمام افعال اس کے زیرِ اثر وقوع پذیر ہوں گے۔[1]

یوسف القرضاوی اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:۔

"عقلی اور نفسیاتی لحاظ سے دیکھا جائے تو سب سے بڑا ذریعۂ اصلاح خود دین ہے۔ کیونکہ اللہ کے وجود پر ایمان، اس کے رسولوں اور کتابوں پر ایمان اور آخرت

---

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی (لاہور، ۱۹۵۵ء)

کی جزا و سزا کا تعین اتنا مضبوط حصار ہے کہ اس کے بغیر اصلاح و تربیت کا کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور پھر آخرت پر ایمان انسان کی سیرت و کردار کی تشکیل اور اصلاح معاشرہ کے لیے جس طرح تریاق کا کام دیتا ہے اور جس طرح دنیاوی اعمال و افعال پر اثرانداز ہوتا ہے اس کا مقابلہ کوئی اور نظریہ نہیں کر سکتا[1]

حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

"ایک شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا رسولؐ اللہ۔ میرے کچھ غلام ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں۔ میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور جھوٹ و فریب سے کام لیتے ہیں۔ میں اُن کو سزا دیتا ہوں اور کبھی مارتا ہوں۔ یا رسولؐ اللہ، فرمائیں کہ قیامت کے دن میرا اور ان کا کیا معاملہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا۔ اگر تمہاری سزا اُن کے جھوٹ و فریب اور نافرمانی کے برابر ہوئی تو نہ تم پر سزا ہوگی اور نہ ہی تمہیں کوئی اجر ملے گا، لیکن اگر تمہاری سزا زیادہ ہوئی تو تم سے بدلہ لیا جائے گا۔ یہ سُن کر وہ ایک کونے میں بیٹھ کر رونے لگا تو آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے سُنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ہم قیامت کے دن ذرّہ بھر بھی ظلم نہ کریں گے اور رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا عمل ہوا تو اُسے سامنے لائیں گے۔ تو یہ سُن کر اس شخص نے کہا کہ میرے لیے بہتر یہ ہے کہ میں ان غلاموں کو آزاد کر دوں، اے اللہ کے رسولؐ گواہ رہیں کہ میں نے ان غلاموں کو آزاد کر دیا[2]

تو یہاں خادموں کے ساتھ سلوک کے بارے میں اس کے دل میں آخرت کے یقین نے یہ کھٹک پیدا کی اور اسی خوف نے اس تصور پر آمادہ کیا کہ وہ غلاموں کو آزاد کر دے تاکہ پچھلی زندگی میں جو زیادتیاں ہوئی ہیں یہ عمل اُن کا کفارہ بن سکے۔

---

[1] یوسف القرضاوی۔ ایمان اور زندگی (لاہور ۱۹۷۸ء) ص ۳۰

[2] محمد یوسف اصلاحی، اسلامی معاشرہ (لاہور ۱۹۶۸ء) ص ۶۸

**۲۔ تہذیبِ نفس** ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں :۔

"اسلام نے اصلاحِ معاشرہ کے لیے جو بہترین طریقہ بتایا ہے وہ نفس کی تربیت ہے۔ جس کا بہترین نظام اس نے عبادات کی صورت میں کر دیا ہے اور اگر فلسفۂ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کی غرض و غایت ہی تہذیبِ نفس، تربیتِ ضمیر اور مومن کی روح میں محبت و مودّت پیدا کرنا ہے۔ مثلاً اگر پانچوں وقت کی نماز پورے خشوع کے ساتھ پڑھی جائے تو ارشادِ باری تعالیٰ کے مطابق :

انّ الصّلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر[1]

یقیناً نماز تمام تر فحش اور ناگوار باتوں سے روکتی ہے۔

روزہ اور زکوٰۃ سرکشی اور علیحدگی اختیار کرنے والے نفوس کا خاص علاج ہے۔ اسی طرح حج روحِ انسانی کو مہذب کرنے والی عبادت ہے۔ اور عام انسانوں میں اُلفت پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔[2]

**۳۔ اخلاقی اصلاح** اخلاق حقیقت میں انسانیت کا اصل جوہر اور انسان اور حیوان کے درمیان وجہِ امتیاز ہے۔ دُنیا و آخرت میں کامیابی کا دارومدار اخلاق پر ہے کوئی انسان اپنی انفرادی حیثیت میں اور کوئی انسانی گروہ اپنی اجتماعی حیثیت میں اخلاق کے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا۔ اور زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کو استحکام کے لیے کچھ بنیادی اخلاقیات کی ضرورت نہ ہو۔[3]

"اسلام اپنے پیروکاروں کے لیے بالخصوص اور پوری دُنیا کے لیے بالعموم جس معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ اس میں اہم ترین اساس اخلاق کی اصلاح ہے۔ اس مقصد کے لیے اسلام

---

۱؎ القرآن الحکیم، ۲۹ (سورۃ العنکبوت) : ۴۵

۲؎ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، جرم و سزا کا اسلامی فلسفہ (راولپنڈی، ۱۹۸۲ء) ص ۳۵

۳؎ حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اخلاق اور فلسفۂ اخلاق (دہلی، ۱۹۶۰ء) ص ۲۱۵

نے اپنی اخلاقی اور قانونی تعلیمات پر بہت زور دیا ہے۔ اور قرآن و سنت میں اس کے تفصیلی احکامات بیان کر کے ان تمام چور دروازوں میں پہرے بٹھا دیے ہیں، جہاں سے معاشرے کے اندر فحاشی یا بے حیائی کے گھس آنے کا احتمال ہو۔[1]

چنانچہ سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے بالخصوص یہی عنوان بیان کیا ہے اور ان تمام باتوں سے منع کیا ہے جو کہ اخلاقی تباہی کے محرکات ثابت ہوں۔ اور جہاں تک احادیث شریفہ کا تعلق ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مندرجہ ذیل بیان ان محرکات کے خاتمے کے لیے بہت کافی ہے:

"جو شخص مجھے اپنے جبڑوں کے درمیان کی (یعنی زبان) اور ٹانگوں کے درمیان کی چیز (یعنی شرمگاہ) کی ضمانت دے دیتا ہے (کہ اُسے اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرے گا) تو میں اُس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں"۔[2]

مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

" اس حکیمانہ ارشاد نے انسانی معاشرے کی دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں جتنے گناہ اور جرائم سرزد ہوتے ہیں ان کے دو سبب ہیں۔ یہ زبان کی بے اعتدالی جس میں بد زبانی بھی شامل ہے۔ اور پیٹ کی خواہش پوری کرنے کے لیے کیے جانے والے جرائم یا پھر جنسی خواہش کی بے اعتدالی جس میں عریانی اور بے حیائی کے تمام کام آتے ہیں"۔[3]

۴۔ بیداریٔ ضمیر | ضمیر کی بیداری بھی اخلاق کا ایک بنیادی ستون ہے۔ اس کے بغیر اخلاق کی عظیم الشان عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ زندہ ضمیر اخلاق کی تعمیر و تشکیل کا باعث بھی ہوتا ہے۔ اور ایک مستعد دربان کی طرح اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ کوئی معاشرہ محض قوانین

---

[1] محمد اسماعیل بخاری، صحیح بخاری (مصر ۱۳۴۵ھ)

[2] ایضاً

[3] مولانا محمد تقی عثمانی، عصرِ حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو (کراچی ۱۳۹۶ھ)، ص ۱۰۷

اور آئینی ضوابط کے بل بوتے پر یا پولیس اور فوج کی قوت سے ترقی و خوش بختی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ حصول سعادت کے لیے بیدار ضمیر اور زندہ قلوب کا وجود ضروری ہے۔ اس لیے اسلام اصلاح معاشرہ کے لیے بیداریٔ ضمیر پر زور دیتا ہے۔ کیونکہ جب تک دلوں میں خوفِ خدا نہ ہو، بیرونی خوف کبھی کارگر ثابت نہ ہو گا۔"[1]

اسلامی تاریخ نے اس بیداریٔ ضمیر اور شدتِ احساس کے اتنے نمونے محفوظ کر رکھے ہیں کہ سب کا ذکر کرنا ناممکن ہے۔ صرف ایک مثال سے خوب اندازہ ہو جاتا ہے۔

"ایک عورت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی اور عرض کرتی ہے کہ اے اللہ کے رسولؐ، میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ مجھے پاک کر دیجیے۔ رسول کریمؐ اُسے واپس لوٹا دیتے ہیں، مگر وہ اگلے دن پھر آتی ہے۔ اور کہتی ہے بخدا میں حاملہ ہو گئی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: اگر یہ بات ہے تو تو چلی جا اور بچّے کی پیدائش کے بعد آنا۔ جب وہ بچے کی پیدائش کے بعد آتی ہے تو آپ فرماتے ہیں: اسے دودھ پلا۔ جب زمانۂ رضاعت گذر جائے تو پھر آنا۔ اس دوران اس بیدار ضمیر خاتون کو دل کی خلش چین نہیں لینے دیتی اور جب مدّت رضاعت ختم ہوتی ہے اور بچہ روٹی کھانے لگتا ہے تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اُسے رجم کر دیا جاتا ہے"[2]

**۵- بگاڑ کے محرکات کا خاتمہ** اسلام ایسی تمام باتوں مثلاً غیبت، جھوٹ، بدگمانی، دورخہ پن، حسد، چغلی، افواہ، بدزبانی اور وعدہ خلافی وغیرہ کو مکمل طور پر نیست و نابود کرتا ہے، جو کسی برائی کا پیش خیمہ اور محرک ثابت ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

یاایھا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا

[1] سید محمد قطب، اسلام کا نظامِ تربیت (لاہور ۱۹۸۰ء) ص ۲۸۱

[2] خلیفہ عبدالحکیم، اسلام کا نظریۂ حیات (لاہور ۱۹۵۶ء) ص ۱۱۰

خیراً منھم ولا نساء من نساء عسی ان یکن خیرا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولٰئک ھم الظٰلمون۔ یایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً [1]

"اے ایمان والو ٹھٹھا نہ کریں لوگ ایک دوسرے سے، شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے، شاید وہ بہتر ہوں اُن سے، اور عیب نہ دو ایک دوسرے کو، اور نہ ڈالو چڑ ایک دوسرے کی، برا نام ہے گنہگاری پیچھے ایمان کے۔ اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف۔ اے ایمان والو، بچتے رہو بہت تہمتیں دھرنے سے، مقرر بعضی تہمت گناہ ہے اور بھید نہ ٹٹولو کسی کے، اور بد نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو۔"

مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"ان آیات میں ان بڑی بڑی برائیوں کا سد باب کا حکم دیا جا رہا ہے جو بالعموم ایک معاشرے میں لوگوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرتی ہیں۔ اور حقیقت میں یہی وہ اسباب ہیں، جن سے آپس میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر دوسرے اسباب کے ساتھ مل کر اُن سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔" [2]

**۶۔ حقوق و فرائض کی نشاندہی** اسلام نے جہاں اصلاحِ معاشرہ کے لیے دوسرے انتظامات کیے ہیں وہاں انسانوں کے آپس کے تعلقات کو بہتر بن اور خوشگوار فضا فراہم کرنے کے لیے تمام رشتہ داروں کے لیے باہمی حقوق و فرائض کی نشاندہی بھی کی ہے، تاکہ ہر فرد اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے کسی کے حقوق کو سلب نہ کرے اور نہ ہی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی ہو کہ آپس میں بگاڑ کے مواقع فراہم ہو سکیں۔ معاشرہ کی مجموعی فضا اور ماحول خوشگوار

---

[1] القرآن الحکیم، ۴۹ (سورہ الحجرات): ۱۰ ، ۱۱

[2] سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (لاہور، ۱۹۸۰ء) جلد ۵ - ص ۸۴ -

ہے اور کسی قسم کی کشمکش پیدا نہ ہو"[1]

**۷۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر** اسلام دوسروں کی اصلاح پر بھی اتنا ہی زور دیتا ہے جتنا فرد کی انفرادی تربیت پر۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی:۔

"ہلاکت و بربادی کا سبب انفرادی شر و فساد نہیں بلکہ اجتماعی شر و فساد ہوتا ہے۔ بعض اقوام کے چند افراد انفرادی طور پر تو صالح اور نیکوکار ہوں، لیکن وہ دوسروں کی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہوں تو اجتماعی طور پر شر و فساد ساری قوم کے لیے تباہی و ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔"[2]

اسی سلسلے میں پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد اور بنیادی فرض یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کی اصلاح اور برائیوں سے اس کی تطہیر کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح اور ہدایت کا کام سرانجام دیں"۔[3]

قرآن و سنت میں بے شمار جگہوں پر اس کے لیے اتنی شدت سے اور تاکیدی احکام آئے ہیں کہ انسان کسی حال میں بھی کسی بھی جگہ پر اس سے کوتاہی نہیں برت سکتا اور اس کے لیے سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا کہ وہ اس فریضے کی ادائیگی پوری کریں۔

جیسا کہ قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیت سے پتہ چلتا ہے:

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر[4]

"تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے کہ خیر کی طرف بلایا کرے اور نیک

---

[1] سید محمد قطب، "اسلام اور جدید ذہن کے شبہات" (لاہور ۱۹۸۱ء) ص ۱۱۷

[2] سید ابوالاعلیٰ مودودی، تنقیحات (لاہور، ۱۹۸۱ء) ص ۲۰۳

[3] پروفیسر خورشید احمد، "اسلامی نظریۂ حیات" (کراچی، ۱۹۷۹ء) ص ۷۱

[4] القرآن الحکیم، ۳: (سورہ آل عمران) : ۱۰۳

کاموں کے کرنے کا کہا کرے اور بُرے کاموں سے روکا کرے"

۸ ـــ حدود و قیود | سید محمد قطب فرماتے ہیں:

"جدید معاشرے میں ہر قسم کے بگاڑ و فسادات کی جڑ دراصل ان کی بلا قید و شرط شخصی آزادی ہے۔ جس کی بدولت وہ اپنے ہر قسم کے مفادات کے لیے سرِعام ہر جائز و ناجائز ذریعہ استعمال کر سکتا ہے۔ اور اسے کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں ہوتا۔ اور ان پہ اگر قانون کی کوئی معمولی سی گرفت ہوتی بھی ہے تو وہ ان معاملات میں جن کو حکومت خود ناپسندیدہ خیال کرتی ہو، ورنہ ان کے نزدیک اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں لیکن اس کے برعکس اسلام نے جہاں فرد کو جائز قسم کی آزادی اور ہر معاملہ میں جائز خود مختاری دی ہے اور اس کی خواہشات اور میلانات کا اعتراف کر کے اسے لاشعوری انتشار سے محفوظ کر دیا ہے۔ وہاں اس پہ کچھ ناگزیر اور ضروری قسم کی حدود و قیود اور اسے ایسے احکامات و تعلیمات اور تنظیمات کا پابند کر دیا ہے کہ اپنی جائز خواہشات کی تکمیل کے لیے بھی ان حدود کو پھلانگ نہیں سکتا"[1]

بقول محمد یوسف اصلاحی:

"جہاں تک ان حدود و قیود کا تعلق ہے جو عقیدۂ اسلام میں انسان پر عائد کی گئی ہیں وہ فرد کی آزادی میں مداخلت نہیں، بلکہ فرد اور معاشرے کے حقوق میں توازن کا قیام ہیں۔ ایک شخص اگر بلا روک ٹوک خواہشِ نفس پوری کرنا چاہے تو بلاشبہ اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ ایک دو صاحب اگر کسی کی جیب پہ ہاتھ رکھ کر اُسے صاف کرنے کا ارادہ رکھیں تو ایسی آزادی کی بھی دین و ایمان میں کوئی گنجائش نہیں فضائلِ اخلاق کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص رذائلِ اخلاق اختیار کرتا ہے تو یقیناً اس کی گرفت کی جاتی ہے زبان کا غلط استعمال، طاقت کا ناروا مظاہرہ اور دولت کا بے جا ضیاع، یہ ایسے کام ہیں کہ جن کے ارتکاب کی اگر کھلم کھلا اجازت دے دی جائے تو معاشرتی زندگی کا

---

[1] سید محمد قطب، اسلام کا نظامِ تربیت (لاہور، ۱۹۸۰ء) ص ۳۸۱

امن و سکون غارت ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا"۔[۱]

**۹۔ تعزیرات** مولانا مودودی فرماتے ہیں:

"ان تمام ذرائع کے استعمال کے بعد بھی اگر معاشرے میں کچھ ایسے پست فطرت اور خوفِ خدا سے محروم لوگ موجود ہوں کہ اُن پر پھر بھی کوئی وعظ و نصیحت اثر نہ کرتی ہو۔ اور وہ کسی طریقے سے بھی اپنے جرم سے باز نہ آئیں تو اسلام ان پر اپنے قانونی وسائل اور انتظامی تدابیر استعمال کرتا ہے۔ اور ان کے لیے ایسی سزائیں تجویز کرتا ہے جو منصفانہ اور عبرتناک ہوں، کیونکہ اگر ایک شخص پر حد جاری کر دی جائے تو ہزاروں افراد بھی اس سے عبرت حاصل کر کے ان برائیوں کو چھوڑ دیں گے"۔[۲]

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں:

"کیونکہ سزا ایک طرف تو مجرم کو جرم سے باز رکھنے کا باعث ہوتی ہے اور دوسری طرف غیر مجرم کے حق میں تنبیہ کا سبب ہوتی ہے۔ جرم کے بار بار اور مزید واقع ہونے کو روکتی ہے۔ چونکہ سزا ایسا فعل ہے جس کو حواس محسوس کرتے ہیں اور آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اس لیے اس کی اثر اندازی فعل محسوس ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ معاشرے کو پاک صاف رکھنے کے لئے سزا کا اختیار کیا جانا لابدی امر ہے"۔[۳]

**۱۰۔ عفو و درگزر** حدود و تعزیرات کے احکام کے ساتھ اسلام ایسے مجرموں کو جن کے جرم معاف کرنے سے فساد سے زیادہ معاشرتی مفاہمت پیدا ہوتی ہو تو انہیں معاف کرنے اور درگذر کرنے کا حکم دیتا ہے، بشرطیکہ وہ جرم دین کے واضح احکامات کے خلاف نہ پڑتا ہو۔

---

۱۔ محمد یوسف اصلاحی، اسلامی معاشرہ، (لاہور۔ ۱۹۶۹ء)، ص ۷۷

۲۔ سید ابوالاعلیٰ، رسائل و مسائل، (لاہور۔ ۱۹۸۱ء) ص ۲۷۳

۳۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، جرم و سزا کا اسلامی فلسفہ (راولپنڈی، ۱۹۸۲ء)، ص ۵۰

وگرنہ اس میں حد جاری کرنا شریعت کی رو سے ناگزیر ہے۔[۱]

اس کی بہترین مثال خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ ہے کہ انہوں نے اپنے بڑے بڑے دشمنوں سے بھی درگذر فرمایا اور فتح مکہ کے موقعہ پر یہ فرما کر سب کو معاف کر دیا کہ لا تثریب علیکم الیوم - خود قرآن میں آتا ہے ، اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ[۲]

(ترجمہ) برائی کا جواب اچھائی سے دو۔

اس کے علاوہ اسلام جرم و فساد کی اشاعت کی مخالفت کرتا ہے تاکہ دوسرے لوگ دیکھا دیکھی اس کا ارتکاب نہ کرنے لگیں - الغرض اسلام اصلاحِ معاشرہ کے لیے جو تدابیر اختیار کرتا ہے وہ ہر لحاظ سے تمام نظاموں سے افضل و بہتر اور فوقیت کی حامل ہیں۔

---

نوٹ: آخر میں مآخذ اور حوالہ جات کی فہرست درج تھی، لیکن وہ اس لیے درج نہیں کی جا رہی کہ صفحہ بہ صفحہ حواشی میں حوالے موجود ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ حاشیوں میں درج متعدد حوالے درست نہیں ہیں۔ (ایڈیٹر)

---

[۱] سید محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات (لاہور، ۱۹۸۱ء)، ص ۲۱۰

[۲] القرآن الحکیم، ۴۱ (سورہ حم السجدۃ) : ۳۴

---


## ہماری نئی مطبوعات

| | | |
|---|---|---|
| ۱- خورشیدِ رسالت کی پانچ کرنیں | آباد شاہ پوری | ۱۸/- روپے |
| ۲- یادِ رفتگان | ماہر القادری ؒ | ۴۲/- " |
| ۳- اسلام میں جرم و سزا | ڈاکٹر عبدالعزیز عامر | ۳۳/- " |
| ۴- اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں | امام ابن تیمیہ ؒ | ۱۸/- " |

البدر پبلی کیشنز - اردو بازار - لاہور ۲